السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صائمہ بنت فقیر محمد ایک یتیم لڑکی ہے جس کی والدہ گونگی ہے حقیقی بھائی کوئی نہیں اور حقیقی چچا بھی نہیں ہے اس نے حسین نامی لڑکے سے بدون اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے اپنے علاقائی بھائیوں کی اجازت سے ولی کا تقرر کیا اور نکاح کرلیا۔ لڑکا لڑکی کچھ عرصے چھپے رہے۔ رازافشا ہونے پر لڑکی کے ننھیالی اور دودھیالی رشتہ داروں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور لڑکی کو واپس مانگا۔ ساجد کے والد نے اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ صائمہ کے رشتہ داروں کا مطالبہ پورا کرے کیونکہ بصورت دیگر تنازعہ بڑھنے کا خدشہ تھا۔ تقریباً ساجد نے طلاق دی اب لڑکی حاملہ ہے۔ عدت ۹۷-۳-۱۴ کو پوری ہوگی۔ کیا ساجد مراجعت کر سکتا ہے؟ مندرجہ بالا بیان حلفاً درست ہے، قرآن وسنت کی رو سے فیصلہ فرمائیں۔

(حسین ساجد ولد عبدالحق جید مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۴ مسجد غوثیہ سگھیاں ستارجے بلاک گلشن راوی لاہور)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

بشرط صحت سوال وبیان حلفی صورت مسئولہ میں تین باتیں تنقیح طلب ہیں۔

۱: کیا نکاح شرعاً منعقد ہوچکا ہے یا نہیں؟

۲: کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

۳: اگر واقع ہوچکی ہے تو کیا موثر ہوگئی ہے یا ابھی موثر نہیں ہوئی؟

اب ان تینوں باتوں پر تبصرہ اور مناقشہ پیش خدمت ہے۔

۱: اس حقیقت میں قطعاً کوئی ابہام نہیں کہ شرعی ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح منعقد ہوتا ہی نہیں جیسا کہ کتب احادیث میں زبان زدعام مشہور حدیث ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»)) (۱: اخرجہ، ابوداؤد ج ۲ ص ۷۵ والترمذی ج 1 ص ۲۰۳، ۲۰۴ والدارمی ج ۲ ص ۱۳۷ والبیہقی ص ۱۰۷، ۱ ازواء القلیل ج ۶ ص ۲۳۶ و نیل الاوطار باب) (لانکاح الا بولی ج ۱ ص ۱۳۵

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوتا"

(قال الحاکم وقد صحت الروایۃ فیہ عن الأزواج المطہرات عائشۃ وأم سلمۃ وزینب بنت جحش ثم سرد تمام ثلاثین صحابیا) (۱: ارواء الخلیل ج ۶ ص ۲۳۶)

کہ یہ حدیث صحیح نبی کریم کی بیوی حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سمیت تیس اصحاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس حدیث کو امام علی بن مدینی، امام بخاری اور حاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم سے حافظ ذہبی نے موافقت کی ہے۔ اور امام ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

پس یہ حدیث اس بات کی قوی دلیل ہے اور اپنے حکم میں ایسی عام ہے کہ لڑکی خواہ کنوارہ ہو کہ بیوہ ہو بالغہ ہو یا نابالغہ بڑی یا چھوٹی کی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا مگر اس کا یہ مطلب اخذ کرنا ہرگز صحیح نہیں کہ عورت عن کل الوجوہ مجبور محض ہے اور اس کا ولی اس حد تک بے پناہ اختیارات کا مالک ہے کہ وہ اپنا یک طرفہ فیصلہ اپنی زیر ولایت لڑکی پر ٹھونس سکتا ہے۔ شریعت اسے یہ اختیار عام ہرگز نہیں دیتی۔ بلکہ صحیح نکاح کا انعقاد ولی کی زیر ولایت لڑکی کے باہمی افہام و تفہیم اور دونوں کی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے۔ کسی ایک فریق (ولی یا لڑکی) کا یک طرفہ اقدام شرعاً ہرگز قبول نہیں پس ولی اگر زیادتی اور ظلم کی ٹھان لے تو وہ شرعاً حق ولایت سے محروم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ ولی کی ولایت سے مقصود لڑکی کی خیر خواہی ہے اور بھلائی ہے جب وہی ظلم پر آمادہ ہوجائے تو ولی کا ہے کا رہا۔ مثلاً: ولی اپنی زیر ولایت لڑکی کی جائیداد ہتھیانے کے لئے کسی ایسے شخص کے ساتھ اس کا نکاح کرنا چاہے جو اس کا کفو نہ ہو۔ یا لڑکی کو اس سے طبعی نفرت ہو یا اس طرح کی کوئی اور غرض ولی کے پیش نظر ہو مگر لڑکی کا روشن مستقبل اس کے مد نظر نہ ہو تو شریعت اس قسم کے ولی کو حق ولایت سے محروم کر دیتی ہے جیسا کہ احادیث میں یہ بات بڑے صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے۔

عَائِشَةَ أَنَّهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ «لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، وَمَا كَانَ مِنْ نِكَاحٍ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَبَاطِلٌ، فَإِنِ تَشَاجَرُوافَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَاوَلِيَّ لَهُ») (۲: سبل السلام ج ۲ ص ۱۲۱ نیل الاوطار باب الشہادۃ فی النکاح 6 ص ۱۲۶) (وارواء الخلیل ج ۶ ص ۲۴۰

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی شہادت کے ساتھ ۔ اگر ولیوںکا آپس میں جھگڑا ہوجائے تو سلطاں (قاضی وغیرہ) اس کا ولی بن جاتا ہے جس کا کوئی اور ولی نہ ہوگویا جھگڑے کی صورت میں ولی حق ولایت سے محروم ہوجاتا ہوہے یعنی ولی ولی ہی نہیں رہتا کیونکہ جھگڑے اور ضدبازی کی صورت میں لڑکی کا روشن مستقبل ولیوں کی سے اوجھل ہوجاتا ہے ۔

اس حدیث سےثابت ہواکہ جس ولی سے بھلائی اور نفع کی امید نہ ہووہ ولی ازروئے شریعت ولایت کے حق سے معزول ہوجاتا ہے ۔

(إذا كان الولى مضارا فولت رجلا وأنكحها فنكاحه جائز) (۱ : رواه الدار قطنى مع التعليق المغنى وفتاوىٰ اهل حديث ج ۲ ص ۴۰۷)

"ولی جب عورت کونقصان پہنچانے والاہواور کسی دوسرے ذمہ دار آدمی کواپنا ولی مقرر کرکے نکاح کرے تواس کا یہ نکاح جائزنکاح ہوگا"

اس حدیث سے یہ معلوم ہواکہ عورت کونقصان پہنچانے والا شخص اس کا ولی نہیں بن سکتا۔

امام شافعی کتاب الام میں یہ روایت لائے ہیں :

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ») (۲ : کتاب الام ج ۵ ص ۱۹ ونیل الاوطار ج ۶ ص ۱۲۹ باب الشهادة فى النكاح والدار قطنى ج ۳ ص ۲۲۲ وفى ارواء الخليل عن ابن عباس قال لانكاح لا باذن ولى مرشد او سلطان ج ۶ ص ۲۳۹ وفتح البارى ج ۹ باب السلطان ولى لانكاح الا بولى مرشد اوسلطان ج ۹ ص ۱۵۷

یعنی ہدایت والے ولی یا سلطان وقت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ان احادیث سے ثابت ہواکہ ولی ہدایت والا اور لڑکی کی خیر خواہی چاہنے والا ہونا چاہیے ۔ اگر وہ ان اوصاف میں کوراہو تو وہ ولی بننے کا اہل نہیں ۔ غرض یہ کہ نکاح کی صحت کےلئے ولی کا ہونا ازبس ضروری ہے ،ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

چونکہ سوالنامہ کی خط کشیدہ صراحت کے مطابق مسماۃ صائمہ بنت فقیر محمد نےاپنے علاقائی (کی طرف سے) بھائیوں کی اجازت سے کسی دوسرے شخص کواپنا ولی بنا کرنکاح کیا ہے لہٰذا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے ۔ کیونکہ والد کے بعدبیٹا اوراگریہ بھی نہ ہوپھر عورت کا بھائی اس کا شرعی ولی بن سکتا ہے جیساکہ ہندو پاکستان کے نامور مفتی اور مشہورعالم دین حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمتہ اللہ علیہ یہ تصریح فرماتے ہیں :

بہر صورت عورت کےلئے ولی کا ہونا ضروری ہے اول نمبر والد ہے ۔ بعض اول نمبربیٹے کوکہتے ہیں ،اگریہ ظلم کریں توبھائی اس کے بعدچچا ،پھر دادے کی اولاداس طرح اوپرتک جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی " (طرف سے حق ولایت ہے ۔ ماں کی طرف سے نہیں کیونکہ ماں کی قرابت کمزور ہے اس لئے ماموں یانانا وارث نہیں ہوتے الخ۔) (۳ : فتاویٰ اھلحدیث ج ۲ ص ۴۰۷، ۴۰۸

چونکہ یہ نکاح باپ کی طرف سے بھائیوں کی اجازت کے ساتھ ہواہے لہٰذا اب دور کےچچا اور ماموں کواس نکاح پر اعتراض کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں ۔

جواب : تنقیح نمبر ۲ : چونکہ یہ طلاق حسین ساجد ولد عبدالحق عبید نےاپنے والد کی ہدایت پر اور مشورہ کے بعد بقائمی ہوش و حواس اپنے اختیار سے دی ہے لہٰذا یہ طلاق بلاشبہ واقع ہوچکی ہے مگرچونکہ یہ تینوں طلاقیں مجلس واحد میں دی گئی ہیں اور صحیح مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث :

(كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً)

کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی اور رجعی طلاق میں اندرعدت نکاح بحال اور رجوع شرعاً جائزہوتا ہے ۔ اور یہ طلاق چونکہ حمل کے دوران دی گئی ہے اور ابھی تک مسمات صائمہ بنت فقیر محمد سوال نامہ کی مخطوطہ تصریح نمبر ۲ کے مطابق حاملہ ہے ، لہٰذا عدت ابھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ قرآن مجید کی نص جلی کے مطابق حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے ، جیساکہ فرمایا :

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ....٤ ... الطلاق

پس نکاح سابق بحال اور قائم ہے لہٰذا ساجد ولد عبدالحق عبید اپنی بیوی صائمہ دختر فقیر محمد سے رجوع کرسکتا ہے ۔ نہ حلالہ کی ضرورت ہے اور نکاح ثانی کی حلالہ تو ویسے بھی بے غیرتی کا مظہر اثم اور ملعون فعل ہے یہ جواب بشرط صحت سوال ایک شرعی مسئلہ کا اظہار ہے اور بس ۔ مفتی کسی عدالتی کاروائی اور قانونی جھمیلوں میں ہر گز مسئول نہ ہوگا

ھذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ محمدیہ

ج1ص712

محدث فتویٰ